www.KitaboSunnat.com

فصل سوُم

تبدیلی احکام پر اولیات عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال اوراس کا تجزیہ

تمہید

احوال وزمانہ کے تغیر سے شرعی احکام میں تبدیلی کے جواز پر استدلال کی ایک اہم اساس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہ اقدامات ہیں جنہیں عموماً ''اولیات عمر رضی اللہ عنہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ان اقدامات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا فارق اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے مختلف طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کو بنیاد بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ حالات وظروف یا مصلحت کی مناسبت سے شریعت کے منصوص احکام میں بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

ان مثالوں کو ان تمام حضرات نے پیش کیا ہے جو تبدیلی کے احکام کے قائل ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صبحی محمصانی نے ''فلسفہ شریعت اسلام میں [1]، مولانا محمد حنیف ندوی نے ''مسئلہ اجتہاد'' میں [2]، مولانا محمد تقی امینی نے ''احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت'' اور ''اجتہاد'' میں [3]، مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے ''اجتہادی مسائل' اور ''اسلام دین آسان'' میں [4] سید یعقوب شاہ نے ''قوانین اسلامی کے نفاذ کا مسئلہ'' میں [5] اور غلام احمد پرویز نے ''شاہکار رسالت'' میں [6] میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان اقدامات کا تذکرہ کیا ہے۔

ان کی اہمیت کے پیش نظر زیر قلم فصل میں ان کا تحلیل وتجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس ضمن میں صرف انہی چند مثالوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جن سے واقعتاً شرعی احکام میں تغیر کا تاثر ملتا ہے۔ اس لیے کہ اولیات عمر رضی اللہ عنہ میں کئی امور ایسے ہیں، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصوص شریعت کی عمومی تعلیمات کی روشنی میں جاری کیے اگرچہ شریعت میں صراحتاً ان کا ذکر موجود نہ تھا، انہیں احکام میں تغیر وتبدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ بعض معاملات ایسے ہیں کہ پہلے ان سے متعلق کوئی ہدایت موجود تھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے ہٹ کر طریق عمل اپنایا۔ یہی درحقیقت ان حضرات کا مدار استدلال ہیں۔ لہٰذا انہی کا تجزیاتی مطالعہ پیش کی اجارہا ہے۔

پہلا مسئلہ: عراق کی مفتوحہ زمینوں کو قومی ملکیت میں لینا

غلام احمد صاحب پرویز تغیر حالات کے ماتحت فیصلوں کی تبدیلی کی مثالیں بیان کرتے ہوئے ''اختلافی فیصلے'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں قانون یہ تھا کہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ فتح عراق کے وقت مالِ غنیمت میں کثیر مزروعہ زمینیں بھی ملیں۔ سابقہ قاعدہ کے مطابق، مطالبہ ہوا کہ انہیں بھی سپاہیوں میں

---

① فلسفہ شریعت اسلام: ۲۲۲-۲۱۷ ② مسئلہ اجتہاد: ۲۰۴-۲۰۱

③ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت: ۳۰۴-۱۷۷، اجتہاد: ۲۲۸

④ اجتہادی مسائل: ۱۰-۹؛ اسلام دین آسان ۱۶-۱۵

⑤ قوانین اسلامی کے نفاذ کا مسئلہ ۱۲۲-۱۲۰

⑥ شاہکار رسالت: ۲۸۱-۲۷۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقسیم کردیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ ان زمینوں کی پیداوار پر ساری امت اور آنے والی نسلوں کی پرورش کا دارومدار ہے اس لیے انہیں انفرادی ملکیت میں نہیں دیا جاسکتا۔ یہ مملکت کی تحویل میں رہیں گی۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا برقرار رہا۔ یہ سابقہ قانون سے بڑا اہم اختلاف تھا۔''[1]

اس کا تذکرہ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی رحمہ اللہ نے ''اجتہاد'' میں[2] اور مولانا محمد تقی صاحب امینی رحمہ اللہ نے ''احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت''[3] میں بھی کیا ہے۔

تجزیہ استدلال

اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مزروعہ زمینیں لازماً سپاہ میں تقسیم ہی کی جاتی تھیں یا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت موجود تھی؟

زمینوں کی تقسیم متعین قانون نہیں

ارباب علم ونظر کی رائے یہ ہے کہ ایسا کوئی قانون متعین نہ تھا، جس کی رو سے زمینیں لازمی طور پر مجاہدین میں تقسیم کی جاتی ہوں۔ بلکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں متنوع طرز ہائے عمل اپنائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کوئی حکم بھی موجود نہیں، جس کی بناء پر ایسا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہو۔

◉ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رحمہ اللہ اسی نوعیت کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کبھی نہیں فرمایا تھا کہ مفتوحہ زمینیں ہمیشہ مجاہدین میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اگر ایسا کوئی حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف عمل کیا ہوتا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے حضور رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بدل دیا یا پھر یہ دعویٰ اس صورت میں کیا جاسکتا تھا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہی زمینوں کو مجاہدین سے واپس لے لیا ہوتا جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں تقسیم کیا تھا، لیکن ان دونوں میں سے کوئی بات بھی پیش نہیں آئی۔ اصل صورت معاملہ یہ ہے کہ مفتوحہ زمینوں کو لازماً مجاہدین ہی میں تقسیم کردینا سرے سے کوئی اسلامی قانون تھا ہی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوحہ اراضی کے معاملے میں حسب موقع وضرورت مختلف مواقع پر مختلف فیصلے فرمائے تھے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ، خیبر، فدک، وادی القریٰ، مکہ اور طائف کی مفتوحہ اراضی میں سے ہر ایک کا بندوبست، عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں الگ الگ طریقوں سے کیا گیا تھا اور ایسا کوئی ضابطہ نہیں بنایا گیا تھا کہ آئندہ ایسی اراضی (مفتوحہ) کا بندوبست لازماً فلاں طریقے یا طریقوں ہی پر کیا جائے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اراضی مفتوحہ کا جو بندوبست کیا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں رد وبدل کی مثال نہیں قرار دیا جاسکتا۔''[4]

---

① شاہکار رسالت: ۲۸۰ ② اجتہاد: ۲۰۲

③ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت: ۱۸۶ ④ سنت کی آئینی حیثیت: ۱۸۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اراضی سے متعلق رسول اکرم ﷺ کا طریق کار

اراضی کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کے مختلف فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''غیر منقولہ جائیدادوں میں قرآن کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق آپ ﷺ کا طرز عمل حالات ومصالح کے پیش نظر مختلف مواقع پر مختلف رہا۔کبھی آپ ﷺ نے کسی جائیداد کے بعض حصے کو تقسیم کیا اور بعض کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لیے مخصوص فرمایا لیا اور کسی جائیداد کو مہمانوں، مسافروں اور وفود کے اخراجات کے لیے خاص فرمادیا۔غرض ضرورت ومصلحت کے مطابق آپ ﷺ اس میں تصرف فرماتے تھے اس لیے کہ قرآن کی ہدایت میں یہ وسعت موجود تھی۔''①

اراضی سے متعلق نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں جو طریق کار اپنایا۔اس کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

✳ مدینہ میں سب سے پہلے اراضی آپ ﷺ کو انصار نے دی تھی۔اس کو آپ ﷺ وقتاً فوقتاً ضرورت مند مسلمانوں کو زراعت وغیرہ کے لیے عنایت فرمایا کرتے تھے۔بعدازاں مہاجرین نے انہیں انصار کو واپس لوٹا دیا تھا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

ان رسول الله ﷺ لما فرغ من قتال اهل خيبر و انصرف إلى المدينة ردّ المهاجرون اِلَى الْاَنصار منا ئحهم التى كانوا منحوهم من ثمارهم ②

''جب رسول اللہ ﷺ اہل خیبر سے جنگ کے بعد مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ عطیات واپس کردیئے جو وہ انہیں پھلوں وغیرہ سے دیتے تھے۔''

✳ غزوۂ احد کے موقع پر ایک صحابی حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے چھ ذاتی باغات ہبہ کردیئے تھے۔اس آمدنی کو آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لیے وقف فرمادیا تھا۔③

---

① اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام:۹۱

② صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السير ، باب رد المهاجر ين إلى الانصار منائحهم من الشجر و الثمر :(۳۳۱۸)

③ باشمیل، محمد احمد، غزوۂ احد:۲۳۱-۲۲۶، بحوالہ الموالاة والمعاداة فى الشريعة الإسلاميه:۳۳۲/۲ واضح رہے کہ مخریق یا مخیّریق کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان تھے یا یہودی۔مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رحمہ اللہ کے بقول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام لائے تھے اور غزوۂ احد میں زخمی ہوکر شہید ہوگئے تھے۔آپ ﷺ نے ان کے ایثار وقربانی اور خلوص کی بنا پر فرمایا کہ مخریق سابق یھود، 'مخریق یہود کو اسلام کی طرف لانے والوں میں ہیں اور خود آگے جانے والوں میں ہیں'' (اجتہاد وتبدیلی احکام:۹۱)

اسی طرح تفسیر الشعراوی میں بھی یہ مذکور ہے کہ مخریق رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئے تھے اور آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا مخیرق خير يهود (تفسیر الشعراوی:۳۰۷۳/۲) اسی تفسیر میں ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یوں نقل کیا گیا ہے کہ ''مخريق سائق يهود'' (تفسیر الشعراوی:۱۸۱۶/۱) اس کے برعکس بعض علماء نے انہیں یہودی قرار دیا ہے۔چنانچہ محماس بن عبداللہ نے جنگ میں غیر مسلموں سے اعانت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو لوگ جنگ وقتال میں غیر مسلمانوں سے مدد لینے کے قائل ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مخریق یہودی نے غزوۂ احد میں مسلمانوں سے مل کر اہل کفر کے خلاف جنگ کی تھی اور کہا تھا کہ میرے سات باغ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہیں وہ ان میں جو چاہیں تصرف کریں۔ (الموالاة والمعاداة فى الشريعة الإسلاميه:۳۳۲/۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

✵ یہود مدینہ بنی نضیر کی جائیداد آپ ﷺ کے قبضے میں آئی تو آپ ﷺ نے کچھ حصہ مہاجرین میں تقسیم کردیا اوراس کا ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے مخصوص فرمالیا۔ اسی میں سے دینی ضروریات اور جہاد کے سامان کی تیاری کے لیے مال خرچ کیا جاتا تھا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

فاما بنوا النضير فكانت حَبْسًا لنوائبه ❶

''بنونضیر کی جائیداد ان دینی ودنیاوی ضروریات کے لیے مخصوص تھی جو آپ ﷺ کو پیش آتی رہتی تھیں۔''

✵ بنوقریظہ کی جائیداد جب آپ ﷺ کے قبضہ میں آئی تو خمس نکالنے کے بعد اس کو آپ نے عام مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ امام زہری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ

قسمها رسول الله ﷺ بين المسلمين على السهام ❷

''بنوقریظہ کی جائیداد کو رسول اکرم ﷺ نے عام مسلمانوں میں حصہ کے مطابق تقسیم فرمادیا۔

✵ غزوۂ خیبر کے موقع جو اراضی مسلمانوں کے زیر قبضہ آئی، اسے رسول اکرم ﷺ نے دوحصوں میں تقسیم کیا۔ سنن ابوداؤد میں ہے:

قسم رسول الله ﷺ خيبر نصفين نصفاً لنوائبه و حاجة ونصفًا بين المسلمين قسمها بينهم ❸

''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی سرزمین کو دوحصوں میں تقسیم فرمایا۔ نصف حصہ ہنگامی اور اپنی دوسری ضروریات کے لیے رکھا اور نصف حصہ مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔''

✵ خیبر کے بعد فدک اور وادی القریٰ کی اراضی نبی اکرم ﷺ کے قبضہ میں آئی۔ یہ بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھی اس لیے آپ ﷺ نے اس میں سے مخصوص مسلمانوں کو کوئی حصہ نہیں دیا بلکہ اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے قبضہ ونگرانی میں رکھا۔ مگر اس کی ساری آمدنی مسافروں اور مہمانوں پر صرف فرماتے تھے۔ فتوح البلدان میں ہے:

وكان مايأتيه منها الىٰ ابن السبيل ❹

''جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی تھی اس کو آپ مسافروں پر صرف فرماتے تھے۔''

✵ بعدازاں مکہ، طائف اور حنین فتح ہوئے لیکن کسی موقع پر بھی آپ ﷺ نے اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا۔

تقسیم اراضی مسلم حکمران کی صوابدید پر ہے

رسول اللہ ﷺ کے اس تمام تر متنوع طرزِ عمل سے یہ اصول اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مفتوحہ اراضی کی تقسیم مسلم حکمران کی صوابدید پر ہے کہ وہ جہاں مصلحت وضرورت کا تقاضا دیکھے وہاں اسے استعمال کرے۔ قرآن کریم سے بھی اسی تصور کی تائید ہوتی ہے اور نبی مکرم ﷺ

① سنن الكبرى للبيهقي: ۲۹۶/۶ (۱۳۱۰۱) ② فتوح البلدان: ۲۴/۱

③ سنن ابی دائود، كتاب الخراج والامارة والفيء، باب ماجاء فی أرض خيبر: (۲۶۱۶)

④ فتوح البلدان: ۳۶/۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا طرز عمل بھی قرآن کی ہدایات ہی پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ❶

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دوسری بستی والوں سے رسول کو دلوایا ہے اس میں خدا کا حق ہے اور رسول کا حق ہے، اور قربتداروں اور یتیموں کا حق ہے اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے تاکہ وہ تمہارے چند دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرنے لگے جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رُک جاؤ اور اس بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اس کے بعد پھر فقراء و مہاجرین کا تذکرہ ہے اور پھر بعد میں آنے والوں کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال اور جائیدادوں کی تقسیم میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہ محض دولت مندوں میں گردش نہ کرتی رہے اور دوسرے لوگ بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

پھر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جس طرح تقسیم کر دیں اس پر راضی ہونا چاہیے کہ آپ کو بحیثیت سربراہ ریاست یہ اختیار حاصل ہے کہ حسبِ ضرورت و مصلحت جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔

آخر میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کا بھی حصہ ہے۔ یہ صرف موجودہ مسلمانوں کا حصہ نہیں بلکہ تا قیامت آنے والے مسلمان اس میں شریک ہیں۔

انہی قرآنی ہدایات کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر حسب مصلحت وضرورت مختلف طریق عمل اختیار فرمایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال

چنانچہ سوادِ عراق کی تقسیم کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی درحقیقت قرآن کی اسی آیت کو مدار استدلال بنایا، جس کے تحت رسول اکرم ﷺ نے اراضی کے مختلف انتظامات فرمائے تھے۔ چنانچہ ''کیلا یکون دولة بین الأغنیاء منکم'' ❷ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ

لو قسمتها بینهم فصارت دولة بین الاغنیاء منکم ولم یکن لمن جاء بعدهم من المسلمین وقد جعل لهم فیها الحق بقوله والذین جاء وا من بعدهم ❸

''اگر میں اس اراضی کو اہل لشکر میں تقسیم کر دوں تو یہ سرزمین چند دولتمندوں کی جاگیر ہو کر انہی میں گردش کرتی رہے گی اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے گا حالانکہ اللہ نے ان کا حصہ بھی رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ ''اور جو لوگ ان کے بعد آئیں۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال قرآنی ہدایات اور اسوۂ رسول ﷺ کے عین مطابق مصلحت پر مبنی تھا۔ چنانچہ اس

① الحشر ۵۹:۷ ② الحشر ۵۹:۹

③ الجصاص، احکام القرآن: ۳۱۹/۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اجماعی طور پر ان زمینوں کو تقسیم نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ❶

لہٰذا اس سے یہ استدلال درست نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی منصوص حکم میں تبدیلی کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ سے متعلق متعدد منصوص احکام میں سے ایک حکم کا اطلاق کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: قطع ید کی منسوخی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جن اقدامات کو منصوص احکام میں تبدیلی کے جواز کے طور پر پیش کی اجاتا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چوری کی سزا قطع ید منسوخ کردی تھی۔ جناب غلام احمد صاحب پرویز عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صدیقی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اختلافی فیصلے گنواتے ہوئے چوتھے نمبر پر اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں چوری کی سزا موقوف کردی۔'' ❷

◉ مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

''بھوک قحط کے عام ابتلاء میں قطع ید سے روک دیا جب کہ قرآن حکیم کی آیت ﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا﴾ ❸ ''چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، ان کے ہاتھ کاٹ دو''۔ عام ہے، جس میں کسی خاص صورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔'' ❹

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ ❺، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری رحمہ اللہ ❻ اور ڈاکٹر صبحی محمصانی ❼ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

تجزیۂ استدلال

یہ واقعہ تاریخ کی تقریباً تمام معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک ہلاکت آفرین قحط بپا ہوا تھا اور جناب عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ قحط میں 'حد سرقہ' پر عملدرآمد روک دیا تھا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے حسب تصریح یہ قحط ۱۸ ہجری میں پڑا تھا۔ ❽

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چوری کی سزا یعنی قطع ید کے قرآنی حکم پر عملدرآمد کو روک دینے کا سبب اور وجہ کیا تھی؟ اور کیا اس سے یہ اصول اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حاکم وقت کو تبدیلی حالات کی بناء پر منصوص شرعی احکام میں تبدیلی کا حق حاصل ہے، اس ضمن میں نکاتِ ذیل پر غور کرنا ضروری ہے:

① قرآن کریم میں چوری کی سزا کے حکم کی نوعیت کیا ہے؟

② اقامتِ حدود خصوصاً حد سرقہ کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کیا تھا؟

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کن حالات میں اُٹھایا تھا؟

ان نکات کے تجزیہ و تحلیل سے مسئلہ کی اصل حقیقت واضح ہوجائے گی۔

---

① الجصاص، احکام القرآن: ۳۱۹/۵ ② شاہکار رسالت: ۲۷۹

③ المائدہ ۵: ۳۸ ④ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ۱۸۲

⑤ مسئلہ اجتہاد: ۲۰۳ ⑥ اجتہادی مسائل: ۲۰؛ اسلام دین آسان: ۱۶

⑦ فلسفہ شریعت اسلام: ۲۲۰-۲۱۹ ⑧ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۶۷/۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا نکتہ: قطع ید کے قرآنی حکم کی نوعیت

چوری کی سزا سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا﴾ ❶

''چوری کرنے والے مرد وعورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا۔''

یہ فرمان نقل اور ثبوت کے اعتبار سے تو قطعی اور یقینی ہے، لیکن مفہوم ومراد کے پہلو سے اس میں کئی احتمالات موجود ہیں گویا یہ قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہے، لہٰذا اس عام حکم کی تخصیص وتقیید ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چند حرفیت پسند اربابِ فقہ کو چھوڑ کر اہل علم کی عظیم اکثریت اسی کی قائل ہے۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین صاحب یوسف حفظہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

''بعض ظاہری فقہاء کے نزدیک سرقہ کا یہ حکم عام ہے، چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی۔ اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں۔ ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی۔ جب کہ دوسرے فقہا اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پھر نصاب کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے۔ اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسغ (پہنچوں) سے کاٹے جائیں گے۔ کہنی یا کندھے سے نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔'' ❷

واضح رہے کہ اس قرآنی حکم کی تخصیص وتقیید دیگر شرعی نصوص ہی کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مخصصات ومبینات سے صرف نظر کر کے محض ظاہر آیت کی بناء پر اس کا مفہوم ومعنی متعین نہیں کیا جاسکتا حد سرقہ سے متعلق جزوی تفصیلات تو بہت سی ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن یہاں ایک اہم پہلو کے بارے میں اشارہ ضروری ہے۔ جس کا تعلق اگرچہ عمومی طور پر تمام ہی حدود سے ہے لیکن مسئلہ زیر بحث میں وہ بہت اہم ہے۔ اس سے مقصود رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ

ادرأوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ فى العفو خير من ان يخطئ فى العقوبة ❸

''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر کسی کے لیے کوئی گنجائش پاؤ تو اس کی راہ چھوڑ دو۔ حکمران کا معافی میں غلطی کرنا۔ سزا دینے میں خطا سے بہتر ہے۔''

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ

ادرأوا الحدود بالشبهات

لیکن یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔ امام زیلعی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے غریب قرار دیا ہے۔ ❹

---

① المائدۃ ۵:۳۸ ② یوسف، حافظ صلاح الدین، تفسیر احسن البیان: ۳۰۱

③ سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود: (۱۴۸۹)

④ نصب الراية لأحاديث الهداية: ۳۳۳/۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاہم اس سے جو اصول اخذ کیا جاتا ہے کہ شبہات کی بناء پر حدود ساقط ہو جاتی ہیں، وہ بہر آئینہ درست ہے کہ دیگر صحیح دلائل اس کے مؤید ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کردہ صحیح حدیث میں ہے مذکورہ حدیث تمام حدود کے لیے مخصص کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی حدیث کے پیش نظر علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر شبہ موجود ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ البتہ شبہ سے مراد کیا ہے اس باب میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا قرآنی حکم اپنے دامن میں عمومیت لیے ہوئے ہے، لیکن اس پر عمل کرتے ہوئے دیگر دلائل و براہین سے ثابت شدہ قیود وتخصیصات کو سامنے رکھنا ضروری ہے، جن میں سے ایک اہم قید یہ ہے کہ بوقت شبہ اس حد کا اطلاق ونفاذ نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا نکتہ: اقامت حدود میں نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل

حدود کے نفاذ میں رسول اللہ ﷺ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ ﷺ جہاں دوسروں کو شبہات کی بناء پر حدود کے نفاذ سے روکنے کی تلقین کرتے تھے بلکہ خود بھی ایسی صورت حال میں حد نہیں لگاتے تھے اور حتی الامکان شبہہ کا فائدہ دے کر حد کو مؤخر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح چوری کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ توضیح وتبیین بھی فرمائی کہ معمولی قسم کی اشیاء یا کھانے پینے کی چیزیں چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابوداؤد میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ

> ''ایک غلام نے کسی کے باغ سے کھجور کے چھوٹے پودے چرا کر اپنے آقا کے باغ میں لگا دیئے اصل مالک کو پتہ چلا تو وہ غلام کو پکڑ کر امیر مدینہ مروان کے پاس لے آیا۔ مروان نے اسے قید کر کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کرلیا۔ غلام کا مالک صحابیٔ رسول ﷺ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس سے متعلق شرعی رہنمائی چاہی۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ
>
> لا قطع فی ثمر ولا کثر
>
> ''پھل اور کھجور کے شگوفے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔''
>
> ''اس نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ مروان کے پاس جا کر یہی حدیث سنا دیں۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مروان رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو چھوڑ دیا۔''[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ سے درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

> من أصاب بغيه من ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شئ عليه وه من خرج بشئ منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة ومن سرق منه شيئًا بعد ان يؤويه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع ومن سرق دن ذلك فعليه غرامة مثليه والعقوبة [2]

① سنن ابی داؤد، کتاب الحدود ، باب ما لا قطع فیه:۳۸۱۵ ② سنن ابی داؤد، کتاب الحدود ، باب مالا قطع فیه:۳۸۱۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر بھوک سے مجبور ہر کو کوئی شخص کھانے پینے کی چیز چرا لیتا ہے تو نبی اکرم ﷺ اسے سزا نہ دیتے تھے۔ قبیلہ بنی غبر کے ایک صحابی حضرت عبادہ بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

''ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا تو میں بھوک سے مجبور ہو کر مدینہ کے ایک باغ میں گھس گیا اور وہاں سے کچھ خوشے توڑ کر کھا لیے اور کچھ اپنے کپڑے میں باندھ لیے۔ اتنے میں باغ کا مالک نکلا۔ اس نے مجھے مارا اور میرا کپڑا بھی چھین لیا۔ میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سارا قصہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اس باغ کے مالک سے فرمایا:

ما اطعمته اذ كان جائعاً او ساغباً ولا علمة اذا كان جاهلا

''اگر یہ بھوکا تھا تو تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا اور اگر یہ نادان تھا تو اسے تو نے تعلیم نہیں دی۔''

بعد ازاں اسے کپڑا واپس کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک یا نصف وسق غلہ دینے کا حکم دیا۔''[1]

نکہ ٔ بازگشت

حد سرقہ سے متعلق قرآنی ہدایت اور رسول معظم ﷺ کے طریق عمل سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

① چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم عام ہے جس کی تخصیص وتقیید احادیث وسنت میں ہے۔

② قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کے مخصصات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

③ شبہہ کی صورت میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

④ نبی اکرم ﷺ نے چوری کا ایک نصاب مقرر فرمایا ہے، جو اگر پورا نہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی بناء پر کھانے پینے اور معمولی نوعیت کی اشیاء میں نبی اکرم ﷺ نے ہاتھ نہ کاٹنے کی تلقین کی ہے۔

⑤ اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو کر کھانے کی کوئی شے چرا لیتا ہے تو اس پر حد سرقہ لاگو نہ ہوگی۔

تیسرا نکتہ: حد سرقہ سے متعلق اقدام فاروقی کا پس منظر

مندرجہ بالا امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ایک نظر ان حالات پر بھی ڈال لینی چاہیے جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا پر عملدرآمد روک دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں سن ۱۸ر ہجری میں ایک انتہائی آفرین قحط بپا ہوا تھا۔ جس سال قحط پڑا اُسے عام الرمادۃ کہا جاتا ہے۔ اس قحط نے پورے جزیرہ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور اس کا سلسلہ تقریباً نو ماہ تک جاری رہا۔

'عام الرمادۃ' کی وجہ تسمیہ

اس قحط کی ہلاکت خیزی ہی کی بناء پر اس کا نام 'عام الرمادۃ' رکھا گیا، جس میں یہ قحط بپا ہوا تھا۔ 'الرمادۃ' رمد سے نکلا ہے، جس کے معنی ہلاک کرنے کے ہیں۔ راکھ کو الرماد کہا جاتا ہے۔

① سنن ابن ماجہ، كتاب التجارات، باب من مر على ماشية قوم أو حائط هل يصيب منه: (۲۲۸۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

وقيل سمى به لأنهم لما أجدبُوا صارت الوانهم كلون الرِّماد ❶

''کہا جاتا ہے کہ اس سال کا نام 'عام الرمادۃ' اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب لوگ قحط کی زد میں آئے تو ان کے رنگ راکھ کی مانند ہو گئے۔''

- علامہ عینی رحمہ اللہ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

سمى العام بها لما حصل من شدة الجدب فاغبرت الأرض من عدم المطر ❷

''اس سال کا نام 'عام الرمادۃ' رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب قحط اور خشک سالی کی شدت ہوئی تو زمین میں ہر طرف گرد وغبار اور خاک اڑنے لگی، کیونکہ بارش نہیں ہو رہی تھی۔''

- امام ابوعبید الھروی 'عام الرمادۃ' کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:

انما سمى الرمادة لأن الزرع والشجر والنخل وكل شئ من النبات احترق مما اصابته السنة فشبه سواد بالرماد ❸

''اس برس کو 'الرمادۃ' اس لیے کہا گیا ہے کہ کھیت، درخت، باغات غرضیکہ زمین سے اگنے والی ہر شے قحط کی بناء پر جل کر رہ گئی تھی لہٰذا اس کی سیاہی کو راکھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔''

زمانۂ قحط میں لوگوں کی حالت

اس قحط نے لوگوں پر کیا قیامت ڈھائی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بن کثیر (15) نے لکھا ہے کہ

كان عام الرمادة فى آخر سنة سبع عشرة وأول سنة ثمانى عشرة، اصاب أهل المدينة وما هو لها جوع فهلك كثير من الناس، حتى جعلت الوحش تأوى إلىٰ الانس ❹

''عام الرمادۃ ۱۷ ہجری کے آخر اور ۱۸ھ کے آغاز میں تھا اس زمانے میں اہل مدینہ اور ارد گرد کے لوگ قحط کی زد میں آئے جس کی شدت سے بہت سے لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ اس کی سنگینی کا عالم یہ تھا کہ وحشی درندے بھی گھبرا کر انسانوں کے پاس پناہ لیتے تھے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کیفیت

جو لوگ رزقِ خاک بننے سے بچ گئے، ان کے رنگ بھوک کی شدت سے سیاہ پڑ گئے تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایثار کا مظاہرہ کیا اور گوشت گھی دودھ وغیرہ چھوڑ دیا۔ اس سے آپ کا رنگ بھی کالا ہو گیا۔

---

① ابن اثیر، النهاية فى غريب الحديث والأثر:۲۶۲

② العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری:۷/۴۷

③ الھروی ابوعبید قاسم بن سلام، غریب الحدیث:۳/۲۱۲

④ البداية والنهاية:۷/۱۰۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ امام ابن ہبۃ اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

وكان عمر بن الخطاب شديد البياض وكان يأكل السمن واللبن فلما امحل الناس حر مهما على نفسه عام الرمادة و قال لا آكلهما حتى يخصب الناس و كان يأكل الزيت حتى تغير لونه ❶

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رنگت انتہائی سفید تھی۔ آپ گھی اور دودھ استعمال کرتے تھے لیکن جب لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو 'عام الرمادۃ' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور فرمایا کہ ''میں اس وقت دودھ اور مکھن نہیں کھاؤں گا جب تک لوگ خوشحال نہیں ہوجاتے اور ان میں اشیائے خورد ونوش کی ارزانی نہیں ہو جاتی۔ اس کے بعد انہوں نے روغن زیتون کھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کی رنگت تبدیل ہوگئی۔''

◉ امام فسوی رحمہ اللہ نے 'المعرفۃ التاریخ' میں تحریر کیا ہے کہ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتہائی سرخ وسپید تھے لیکن زمانۂ قحط میں انہوں نے گوشت اور گھی چھوڑ کر زیتون کا تیل استعمال کرنا شروع کر دیا تھا، جس سے ان کی رنگت میں تغیر واقع ہوگیا تھا۔'' ❷

قحط کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر پریشان تھے کہ ان کے غلام اسلم کے بقول:

''ہمیں اندیشہ تھا کہ اگر قحط کا خاتمہ نہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت غم سے انتقال کر جائیں گے۔'' ❸

قحط سے نمٹنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

اس ہلاکت آفرین قحط سے نمٹنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد اقدامات کیے:

① مختلف علاقوں کے حکام کو خطوط لکھے کہ وہ اہل حجاز کے لیے غلہ وغیرہ کی صورت میں امداد روانہ کریں۔

◉ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكتب الى امرء الامصار أن أغيثوا أهل المدينة ومن حولها فانه قد بلغ جهدهم ❹

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کے امراء کو لکھا کہ وہ اہل مدینہ اور دیگر قحط زدگان کے لیے امداد روانہ کریں کیونکہ وہ سخت مصیبت ومشقت میں مبتلا ہیں۔''

چنانچہ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے حسب تصریح:

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار اونٹ غلے کے لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم کے راستے، مصر سے غلہ بھیجا۔ ❺

---

① ابن هبة الله ،على بن حسن ، تاريخ مدينة دمشق:۱۸/۴۴

② الفسوى ، يعقوب بن سفيان ، المعرفة والتاريخ:۳۲۰/۳

③ الذهبى ، تاريخ الإسلام:۲۷۴/۳

④ البداية والنهاية:۱۰۴/۷

⑤ تاریخ ابن خلدون:۱۱۴/۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھاتے پیتے گھرانوں میں فقراء اور مساکین کے کھانے کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

وكان عمر فی عام الرمادة يدخل على اهل البيت من المسلمين مثلهم، ويقول: لن يهلك امرؤ و عنده نصف قوتة [1]

''عام الرمادۃ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہر گھر میں اتنے افراد بھیج دیتے تھے، جتنے افراد پہلے وہاں موجود ہوتے۔ اور فرماتے تھے کہ انسان آدھی غذا سے ہلاک نہیں ہوتا۔''

یعنی ایک کا کھانا دو کے لیے کافی ہے۔ یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

طعام الواحد يكفى الاثنين وطعام الاثنين يكفى الأربعة وطعام الأربعة يكفى الثمانية [2]

''ایک فرد کا کھانا دو کے لیے کافی ہے، دو کا چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کفایت کرتا ہے۔''

◉ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اسی حدیث نبوی سے ماخوذ ہے۔ [3]

③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر تخفیف کرتے ہوئے قحط کے سال زکوٰۃ وصول نہیں کی کہ لوگوں کے پاس پہلے ہی کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، زکوٰۃ کیسے دیتے۔ امام بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أن عمر أخر الصدقة عام الرمادة ، فلماء أحيا الناس فى العام المقبل ، اخذ منهم صدقة عامين [4]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام الرمادۃ میں زکوٰۃ موخر کردی، پھر جب آئندہ برس لوگوں کی حالت بہتر ہوئی تو ان سے دو سال کی زکوٰۃ وصول کی۔''

④ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کے لوگوں میں راشن تقسیم کرتے اور اپنی نگرانی میں بھوکوں کو کھانا کھلاتے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''ہر روز بیس اونٹ ذبح کر کے پکواتے اور لوگوں کو کھلاتے۔'' [5]

'حد سرقہ' کا موقوف کرنا

یہ تھے وہ حالات جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چوری کی سزا 'قطع ید' پر عملدرآمد روک دیا تھا۔ اور ایسی صورتحال میں یہ اقدام قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کہ اس طرح کے حالات میں انسان مجبور و مضطر ہو جاتا ہے اور قرآن میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ حالت اضطرار میں حرام اشیاء بھی کھائی جاسکتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [6]

---

① ابن رجب، فتح الباری: ۳۸۴/۳ ② صحیح مسلم، کتاب الأشربة ، باب فضيلة المواساة فى الطعام القليل: (۳۸۳۶)
③ فتح الباری: ۳۸۴/۳ ④ البغوی، حسین بن مسعود، شرح السنة: ۳۵/۶
⑤ شبلی نعمانی، الفاروق: ۲۹۸ ⑥ المائدۃ ۵: ۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کے قانون اضطرار اور دیگر تعلیمات کے پیش نظر چوروں کے ہاتھ کاٹنے سے پرہیز فرمایا۔

علامہ ابن القیم الجوزیہ (15) نے لکھا ہے کہ

فإن السنة إذا كانت مجاعة و شدة غلب على الناس الحاجة الضرورة فلا يكاد يسلم السارق من ضرورة تدعوه الى ما يسد به رمقه'' ❶

''قحط کے زمانے میں فقر و فاقہ کی شدت عام آدمیوں کو اتنا مجبور اور ضرورت مند بنا دیتی ہے کہ چور کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ سد رمق کے لیے چوری سے محفوظ رہ سکے۔''

شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے

پھر جیسا کہ پہلے بیان ہوا، حدیث کی رو سے اگر شبہ پایا جائے تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط کی صورتحال ایک قوی شبہ تھی کہ چرانے والے نے بھوک سے مجبور ہو کر چوری کی ہے، ورنہ عام حالات میں شاید وہ چوری نہ کرتا۔ امام ابن القیم (15) کے بقول:

یہ شبہ انتہائی قوی ہے لہٰذا محتاج کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ فقہاء نے جو دیگر شبہات بیان کیے ہیں، یہ ان سب سے زیادہ قوی ہے۔ ❷

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ

هو ماذون له فى مغالبة صاحب المال على اخذما يسدرمقه، وعام المجاعة يكثر فيه المحاويج والمضطرون، ولا يتميز المستغنى منهم والسارق لغير حاجة من غيره، فاشتبه من يجب عليه الحد بمن لا يجب عليه، فدرئ، نعم اذابان أن السارق لاحاجة به وهو مستغنٍ عن السرقة قطع ❸

''چور کو ڈھیل صرف ان دولتمندوں کے مقابلہ میں دی گئی ہے کہ ان کا مال وہ اس طرح لے کر اپنے جسم و جان کے رشتہ کو قائم رکھ سکیں۔ قحط کے زمانے میں ضرورت مندوں، بھوکوں اور مجبوروں کی کثرت ہوتی ہے اور ان حالات میں یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہوتا ہے کہ کون مستغنی ہونے کی بنا پر مستوجب حد ہے اور کون ضرورت مند ہے۔ لہٰذا حد کو موخر کر دیا گیا۔ البتہ جب یہ واضح ہو جائے کہ چور کو ضرورت نہ تھی بلکہ وہ چوری سے مستغنی تھا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔''

---

① اعلام الموقعین: ۳۵۲/۴ ② ایضاً

③ اعلام الموقعین: ۳۵۲/۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن القناص ایک سوال کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی توجیہہ میں لکھتے ہیں:

وما جاء عن عمر فی عام الرمادة لیس من باب تعطیل حد السرقة، بل هو من باب درء الحدود بالشبهات، وهذه قاعدة فی اقامة الحدود أنها تدفع بالشبهات، لأنه فی عام الرمادة عمت المجاعة، وکثر المحاویج والمضطرون، فیصعب التمییز بین من یسرق من أجل الحاجة والضرورة، ومن یسرق وهو مستغنٍ، ولهذا أسقط عمر القطع فی عام المجاعة [1]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو مروی ہے کہ 'عام الرمادۃ' میں انہوں نے حد سرقہ پر عملدرآمد سے روک دیا تھا تو اس سے مراد یہ نہیں کہ انہوں نے چوری کی حد معطل کردی تھی بلکہ یہ شریعت کے اس اصول پر مبنی ہے کہ شبہات کی بناء پر حدود کو مؤخر کردو۔ اس لیے کہ 'عام الرمادۃ' میں قحط سالی نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور حاجت مند اور اہل اضطرار بہت کثرت سے موجود تھے۔ لہٰذا یہ امتیاز کرنا دشوار تھا کہ کون ضرورت و حاجت کی بناء پر سرقہ کا مرتکب ہوا ہے اور کس نے استغناء کے باوجود اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں حد ساقط کردی تھی۔''

حاصل یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چوری کی حد پر عملدرآمد اس لیے روکا تھا کہ خود شریعت نے ایسی حالت میں حد نافذ کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق حالت شبہ میں حد لاگو نہیں ہوسکتی۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے یہ استدلال درست نہیں کہ انہوں نے حالات وظروف کی بناء پر ایک شرعی حکم میں تبدیلی کردی تھی اور یہ کہ آج بھی ارباب حل وعقد کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

تیسرا مسئلہ: مجلس واحد کی تین طلاقوں کو تین قرار دینا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جن اقدامات کو 'تبدیلی احکام' کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا تو اسے ایک طلاق شمار کیا جاتا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تین ہی شمار کرنا شروع کردیا۔

◉ مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ 'تغیر احکام' کی مثالیں دیتے ہوئے اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو آنحضرت کے زمانے میں اسے ایک ہی طلاق متصور کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہی معمول رہا۔ خود حضرت فاروق کے ابتدائی دور خلافت تک اسے طلاق رجعی ہی سمجھا گیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ معاملہ شناس نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے مسئلے کی پوری پوری اہمیت محسوس نہیں کرتے اور اسلام کی اس رخصت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں تو آپ نے اس معمول کی مخالفت کی اور فیصلہ صادر فرمادیا کہ آئندہ یہ تین طلاقیں قطعی بینونت اور علیحدگی کو موجب ہوں گی اور

[3] www.ahlalhadeeth.com/vb/.

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجوع کا حق نہیں دیا جائے گا۔''[1]

اس کا تذکرہ ڈاکٹر صبحی محمصانی[2]، مولانا محمد تقی امینی[3]، مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری[4] اور غلام احمد پرویز[5] نے بھی کیا ہے۔

تجزیۂ استدلال

سچ یہ ہے کہ بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام 'تبدیلی احکام' کی ایک قوی دلیل ہے۔لیکن تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے اور معاملے کے پس منظر اور اس اقدام فاروقی کے اسباب وجوہ کا کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ذیل میں اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے وہ روایت دیکھنی چاہیے جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا تذکرہ ہے۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ و ابى بكرو سنتين من خلافة عمر طلاق الثلٰث واحدةً فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا فى امر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم [6]

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔جس معاملے (طلاق) میں لوگوں کو سوچ بچار سے کام لینا چاہیے تھا، اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں۔لہٰذا ہم کیوں نہ اس کو نافذ کردیں، چنانچہ آپ نے اس کو ان پر نافذ کردیا۔''

اقدام فاروقی رضی اللہ عنہ کا پس منظر

یہاں یہ سوال غور وفکر کی سطح پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کا پس منظر کیا ہے؟ تامل کیا جائے تو اسی حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ کثرت سے طلاقیں دینے لگ گئے تھے، جب کہ شریعت نے اس میں انتہائی غور وفکر اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔اسلام میں اسے حلال و جائز امور میں سب سے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أبغض الحلال الى الله تعالىٰ الطلاق [7]

''حلال امور میں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین طلاق ہے۔''

---

① مسئلہ اجتہاد: ۲۰۳ ② فلسفہ شریعت اسلام: ۲۱۸ ③ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت: ۱۸۰

④ اجتہادی مسائل: ۲۰ ⑤ شاہکار رسالت: ۲۷۸

⑥ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث: (۱۴۷۲)؛ المستدرك للحاكم، كتاب الطلاق: ۱۹۶/۲ (۲۷۹۳)؛ سنن الدارقطنی، كتاب الطلاق: (۳۹۶۱)

⑦ سنن ابی داؤد، كتاب الطلاق، باب كراهية الطلاق: (۱۸۶۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیک وقت تین طلاق حرام ہیں

علاوہ ازیں اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام اور ناجائز ہے۔شریعت کی رو سے یہ سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ایک طرف یہ نص قرآنی ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ [1] ''طلاق دومرتبہ ہے'' کے خلاف ہے تو دوسری جانب نبی مکرم ﷺ نے اسے "تلعّب بكتاب الله" (کتاب اللہ کے ساتھ کھیل) قرار دیا ہے۔

سنن نسائی میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ بڑے غضبناک ہوئے اور فرمایا:

أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم [2]

''کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب کے ساتھ تلعب (کھیل) کیا جارہا ہے۔''

اس فرمان رسول ﷺ کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکٹھی تین طلاقوں کو سخت مکروہ گردانتے تھے۔جس شخص کے متعلق انہیں یہ پتہ چلتا کہ اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں ہیں تو اس کی پشت پر درے لگاتے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

أن عمر كان اذا أتى برجل طلّق امرأته ثلاثا اوجع ظهره [3]

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کسی ایسے شخص کو لایا جاتا، جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی پیٹھ پر کوڑے برساتے۔''

اس کے باوجود جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے مسئلہ میں اس احتیاط وتدبر سے کام نہیں لیتے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ ایک ہی طلاق حالت طہر میں دی جائے۔ بلکہ بیک وقت تین طلاقیں کثرت سے دینے لگے ہیں جو شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا نفاذ کردیا جائے تاکہ اس سخت اقدام سے لوگوں کو کچھ تنبیہ ہو اور کثرت سے بیک وقت تین طلاق دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو۔اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ شریعت کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی سے لوگوں کو روکا جائے۔

یہ فیصلہ فاروقی رضی اللہ عنہ، تہدیدی اور سیاسی نوعیت کا تھا

یہ تھے وہ اسباب و وجوہ اور مصالح جن کی بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تہدیدی و سیاسی آرڈیننس جاری کیا کہ اب جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دے گا۔اسے رجوع کا حق حاصل نہیں رہے گا بلکہ انہیں تین ہی شمار کیا جائے گا۔یہ تمام تر صورتحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تھی اس لیے انہوں نے بالعموم حضرت عمر کے اس سیاسی وتہدیدی اقدام پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

◉ امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رأى امير المومنين عمر أن الناس قد استهانوا بأمر الطلاق، و كثر منهم ايقاعه جملة

---

① البقرہ۲:۲۲۹ ② سنن النسائی، كتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ: (۳۴۱۴)

③ فتح الباری، باب من جوزا الطلاق الثلاث:۹/۳۶۲؛ سنن سعید بن منصور، كتاب الطلاق، باب التعدی فی الطلاق: (۱۰۷۳)؛ شرح معانی الآثار:۳/۵۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّاحدةً، فرأى من المصلحة عقوبتهم بامضائه عليهم، ليعلموا أن احدهم إذا اوقعه جملة بانت منه المرأة و حرمت عليه حتى تنكح زوجًا غيره نكاح رغبة يراد للدوام لا نكاح تحليل، فانه كان من اشد الناس فيه، فاذا علموا ذلك كفوا عن الطلاق المحرم، فرأى عمر أن هذا مصلحة لهم فى زمانه، ورأى أن ما كانوا عليه فى عهد النبى ﷺ وعهد الصديق وصدرًا من خلافته كان الأليق بهم، لأنهم لم تتابعوا فيه وكانوان يتقون الله فى الطلاق، وقد جعل الله لكل من اتقاهُ مخرجًا، فلما تركوا تقوىٰ اللّٰه وتلاعبوا بكتاب الله و طلّقوا علىٰ غير ماشرعه الله ألزمهم بما التزموه عقوبه لهم، فان الله تعالى انّما شرع الطلاق مرة بعد مرة ولم يشرع كله مرّة واحدة، فمن جمع الثلاث فى مرة واحدة فقد تعدى حدود الله، وظلم نفسه، ولعب بكتاب اللّٰه، فهو حقيق ان يعاقب، ويلزم بما التزمه، ولا يقر على رخصة اللّٰه وسعتهٖ، وقد صعبها على نفسه، ولم يتق الله ولم يطلق كما امره الله وشرعهٗ لهٗ، بل استعجل فيما جعل الله له الأناة فيه رحمة منه و احسانا، ولبس على نفسهٖ، واختار الأغلظ و ألاشد فهذا مما تغيرت به الفتوىٰ لتغير الزمان، وعلم الصحابه حسن سياسة عمر و تأديبهٖ لرعيتهٖ فى ذلك فوافقوه على ما الزم به[1]

◉ علامہ محمد صاحب جوناگڑھی رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا عبارت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ ایک مصلحت وقت کی اقتضاء کا کام تھا، نہ کہ شرعی مسئلہ، ایک کام جو منع تھا، جو خلاف سنت تھا، لیکن اگر کسی سے ہو جائے تو شریعت اسے پکڑتی نہ تھی۔ جب لوگوں نے بکثرت بے خوف ہو کر اسے شروع کر دیا تو آپ نے بحیثیت قانون یہ حکم فرمایا کہ میں آئندہ سے تین کو تین ہی گن لوں گا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ لوگ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے باز رہ جائیں، ورنہ پھر تین سال تک یہ حکم شرعی کیوں جاری نہ کیا، پس یہ حکم شرعی نہیں بلکہ قانونی حیثیت رکھتا ہے کہ لوگ ڈر جائیں کہ اگر اب ہم نے ایسا کیا تو بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ اور نکاح بھی باقاعدہ رغبت کے ساتھ دوام کے لیے ہو، نہ یہ کہ خلاء کر کے چھوڑ دے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کے سخت ترین مخالف تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ ہوا کہ پہلے لوگوں کے لائق جو تھا اس سے وقت کے لوگ محروم کر دیئے جانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ وہ اس طرح پے در پے طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ طلاق کے معاملے میں طریقہ طلاق کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اللہ سے ڈرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ آسانی کر رکھی تھی۔ اب جبکہ یہی چیز برابر ہونے لگی تو کیا انہیں اس انعام الٰہی سے محروم نہ کر دیں تاکہ ان کے دماغ اور ان کے فعل پھر درست ہو جائیں۔ پس یہ فتویٰ گویا ایک درۂ فاروقی تھا جو

[1] اعلام الموقعین: ۳۹۰/۴-۳۸۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کی سزا کے لیے تھا نہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم شرعی بدل دیا۔

مشروع طلاق ایک کے بعد ایک ہے نہ کہ سب ایک ساتھ، جو ایسا کرتا ہے وہ حد سے گزر جاتا ہے، اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور احکام الٰہی کے ساتھ کھیل کرتا ہے، پس وہ اس قابل ہو گیا کہ حاکم وقت بطور سزا دہی کے اس پر کوئی سختی کر دے۔ یہ اللہ کی آیتوں سے کھیلتا ہے تو کیوں نہ رخصت الٰہی سے محروم کر دیا جائے تا کہ اس کی آنکھیں کھل جائیں، پس یہ تو اسی قبیل سے ہے کہ زمانے کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس حکمت کو مدنظر رکھ کر سیاست فاروقی کا ساتھ صحابہ نے بھی دیا اور ایسے فتوے دینے شروع کیے۔''[1]

اس کے علاوہ بھی کئی ارباب فقہ نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام تہدید و سیاست پر مبنی تھا۔

◉ امام طحطاوی رحمہ اللہ درمختار کے حاشیے میں قہستانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انه كان فى الصدر الاول إذا أرسل الثلاث جملة لم يحكم إلا بوقوع واحدة إلىٰ زمن عمر، ثم حكم بوقوع الثلاث سياسة لكثرته من الناس [2]

''صدر اول میں جب تین طلاقیں اکٹھی دی جاتی تھیں تو ایک ہی کے واقع ہونے کا حکم لگایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک یہی طریق کار تھا، پھر جب لوگوں نے کثرت سے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ازروئے سیاست تینوں کے واقع ہونے کا فیصلہ نافذ کر دیا۔''

◉ علامہ قہستانی رحمہ اللہ جن کے حوالے سے علامہ طحطاوی نے یہ عبارت نقل کی ہے، نے 'جامع الرموز' میں یہی لکھا ہے۔[3]

◉ علامہ محمد بن علی المعروف باعلاء الحصکفی رحمہ اللہ نے بھی علامہ قہستانی کے سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔[4]

◉ علامہ شیخی زادہ المعروف بدامادافندی رحمہ اللہ نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے:

واعلم ان فى صدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم يحكم الابوقوع واحدة اِلى زمن عمر، ثم حكم بوقوع الثلاث لكثرته بين الناس تهديداً [5]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اقدام تہدیدی نوعیت کا تھا۔

◉ ڈاکٹر صبحی محمصانی رحمہ اللہ نے عظیم مصری محدث علامہ احمد شاکر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فعل ایک ہنگامی حکم کی حیثیت رکھتا ہے جو امام وقت (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے بضرورت سیاست کیا تھا۔

◉ علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''جو احکام قرآن یا سنت کی نص صریح سے ثابت ہیں۔ انہیں نہ کسی کو تبدیل کرنے کا حق ہے اور نہ کوئی ان احکام

---

① محمد جونا گڑھی، دین محمدی ترجمہ إعلام الموقعين:۸۰۴/۲ ② حاشيه طحطاوى على الدر المختار:۱۰۵/۲
③ جامع الرموز شرح نقاية:۳۲۱ ④ فى شرح الملتقى:۶/۲
⑤ مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الابهر:۶/۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ کسی دوسرے حکم کو اختیار کرنے کا مجاز ہے خواہ ایک شخص ہو یا پوری جماعت۔'' ❶

حاصل کلام یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم میں تبدیلی نہیں کی بلکہ ایک غیر شرعی کام (بیک وقت تین طلاقیں) سے روکنے کے لیے بطور سزا لوگوں کو رجوع کرنے سے روک دیا۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد ازاں انہیں یہ احساس ہوا کہ انہیں بطور سزا بھی یہ اقدام نہیں کرنا چاہیے تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ندامت

◉ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ماندمت علی شیءٍ ندامتی علیٰ ثلاثٍ أن لا اکون حرمت الطلاق ❷

''مجھے تین باتوں پر شدید ندامت ہوئی (جن میں سے پہلا یہی طلاق والا مسئلہ ہے) کاش کہ میں طلاق (رجعی) کو حرام نہ کرتا''

واضح رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اقدام کی یہ توجیہہ اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں اصلاً شرعاً رجعی ہیں، جیسا کہ اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد اس کی قائل ہے۔ البتہ جمہور علماء کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں بھی تین شمار ہوں گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرے سے کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ پہلے ہی سے یہ حکم تھا۔ ان کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مسلم میں مروی ہے، درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ اس اختلاف سے قطع نظر دونوں فریق اس امر پر متفق ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شرعی حکم کو نہیں بدلا اور نہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ واللہ اعلم۔

چوتھا مسئلہ: کتابیہ سے نکاح پر پابندی

مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے احکام میں حالات کی رعایت سے توسیعی پروگرام کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اختیار کردہ بعض صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اس اقدام کا ذکر کیا ہے کہ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی حالانکہ قرآن حکیم میں اس کی اجازت موجود ہے۔'' ❸

◉ مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی رحمہ اللہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زن کتابیہ سے از روئے قرآن نکاح جائز ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اہل اسلام کو روک دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں یہی کیا۔'' ❹

◉ غلام احمد صاحب پرویز نے حضرت عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صدیقی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اختلافی فیصلوں کے ذیل میں لکھا ہے کہ

''قرآن کریم نے مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ہاں کا کھانا حلال قرار دیا ہے

---

① احمد شاکر، نظام الطلاق فی الاسلام: ۱۹ بحوالہ فلسفہ شریعت اسلام: ۲۱۹ ② اغاثه اللهفان: ۳۵۱/۱

③ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ۱۷۶ ④ اجتہادی مسائل: ۲۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی عورتوں سے یہ کہہ کر نکاح کو ممنوع قرار دے دیا ہے کہ یہ عورتیں مسلمانوں کے معاشرہ میں فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں۔''[1]

حاصل یہ ہے کہ ایک قرآنی حکم کو حالات وظروف کی تبدیلی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدل دیا۔

تجزیۂ استدلال

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اگر اس پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو معاملے کی اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔مولانا تقی امینی رحمہ اللہ نے بھی وہ واقعہ امام جصاص رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

◉ امام الجصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تزوج حذيفة يهودية فكتب إليه عمر أن خل سبيلها فكتب إليه حذيفة: أحرام هي؟ فكتب اليه عمر: لا ولكني أخاف ان تواقعوا المومسات منهن [2]

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی خاتون سے شادی کر لی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ اس سے علیحدگی اختیار کرلو۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جوابی خط لکھ کر پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ مکتوب ارسال کیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔''

کتابیہ سے شادی نہ کرنے کی حکمتیں

اس باب میں سیدنا فاروق اعظم ایسے حکیم و دانا شخص کے پیش نظر کئی حکمتیں تھیں، جن میں سے ایک حکمت کا تذکرہ مذکورہ واقعہ میں ہے۔

① بدکار عورتوں کا خطرہ

اور وہ حکمت یہ ہے کہ کتابیہ کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ عفت وعصمت سے تہی دامن نہ ہو۔ظاہر ہے کہ بدکار عورت سے نکاح کرنے میں بہت بڑا فتنہ ہے۔ بیوی انسان کی عزت و غیرت اور حمیت ہوتی ہے اگر وہ پاک دامن نہ ہو تو انسان کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہے اور نسب میں بگاڑ کا سبب ہے، جسے کسی طور گوارا نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسلامی معاشرے میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اور یہ کوئی خود ساختہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کی جس آیت میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے وہاں ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ پاک دامن اور عفت وعصمت سے متصف ہوں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [3]

''اور تم سے پہلے اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں (سے نکاح جائز ہے)''

---

① شاہکار رسالت: ۲۸۰ ② احکام القرآن: ۳/۳۲۳ ③ المائدۃ ۵:۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ امام جصاص رحمہ اللہ نے بھی یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

فهذا يدل على ان معنى الاحصان عنده ههنا كان على العفة ❶

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت میں مذکور احصان سے عفت و پاکدامنی مراد ہے۔''

② مسلمان عورتوں کا نظر انداز ہوجانا

کتابیہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کی تلقین کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ حکمت بھی تھی کہ اس طرح مسلمان عورتوں کے نظر انداز ہونے کا ڈر ہے۔

◉ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح بیان کیا ہے:

فانی أخاف ان يقتدى بك المسلمون فيختار وانساء اهل الذمة لجمالهن وكفى بذلك فتنة لنساء المسلمين ❷

''میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری اقتدا کریں گے اور ذمیہ عورتو کے جمال کی وجہ سے مسلم عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے۔ یہ بات بڑی آسانی سے فتنہ بن سکتی ہے۔''

ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک بڑی ٹھوس وجہ ہے، کتابیہ عورتوں سے شادی کو روکنے کی۔ اگر ایسا ہو کہ مسلمان خواتین گھروں میں بیٹھی رہیں اوران کی بجائے یہودی یا عیسائی عورتوں سے نکاح کا رجحان شروع ہوجائے تو ان مسلمان بیبیوں کی کیا حالت ہوگی اوراس کے کیا کچھ مفاسد رونما ہوں گے، ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکمت کے پیش نظر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

③ ملی مفادات متاثر ہونے کا خدشہ

یہ امر بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ خدشہ موجود ہو کہ اگر کتابیہ عورتوں سے نکاح کیا گیا تو وہ ملت دشمن غیر مسلم عناصر کی آلۂ کار بن کر جاسوسی کے ذریعے ملت اسلامیہ کے مفادات کو زک پہنچا سکتی ہیں۔ خصوصاً جب معاملہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کا ہو، جو مسلمانوں میں ایک ذمہ دار حیثیت کے حامل تھے۔

④ کتابیہ عورتوں کا مکر وفریب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ کتابیہ عورتیں زیادہ تر مکار اور فریبی ہیں، لہٰذا ان سے نکاح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ ''وہ مکارہ ہے''۔ ❸

---

① احکام القرآن: ۳/۳۲۳

② کتاب الآثار، باب تزوج الیہود یہ والنصرانیۃ بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت: ۱۷۷

③ ابن قدامہ، المغنی: ۷/۵۰۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممانعت، پابندی یا مشورہ؛ ایک اہم نکتہ

اس مقام پر ایک اہم نکتہ کی جانب فکر و ذہن کو ملتفت کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ آیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کتابیہ عورت سے علیحدہ ہونے کا کہنا، ممانعت اور پابندی تھی یا یہ محض ایک مشورہ؟

معاملے کی نوعیت پر غور کرنے سے یہ توجیہہ زیادہ معقول ومحکم اور لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ یہ محض ایک مشورہ تھا بالکل اسی طرح کا مشورہ جیسے ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار شخص اپنے کسی عزیز کو ایک معاملے سے متعلق اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں دیتا ہے ظاہر ہے کہ جب ایک جائز کام سے کسی نقصان یا ضرر کا اندیشہ ہو تو اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ شے فی نفسہ حرام یا ممنوع ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں بعینہ یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صریحاً اس امر کا اظہار کرتے ہیں وہ کسی حلال و جائز معاملے کو حرام نہیں ٹھہرا رہے بلکہ بعض متوقع نقصانات (جن کا واقع ہونا ظن غالب پر مبنی ہے) کا تذکرہ کرتے ہیں پھر کسی روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کوئی عمومی حکم پوری سلطنت میں جاری فرمایا ہو کہ آج کے بعد کوئی کتابیہ عورت سے نکاح پر پابندی ہے۔ اس کی حیثیت محض ایک مشورہ ہی کی تھی، جو آپ نے ان تمام لوگوں کو دیا جو کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کر چکے تھے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی مناسب رہے گا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو مناسب سمجھتے ہوئے کچھ عرصہ بعد اپنی کتابیہ بیوی کو طلاق دے دی تھی۔

◉ امام ابن قدامۃ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أن عمر قال للذين تزوجوا من نساء أهل الكتاب طلقوهن، فطلقوهن الاحذيفة۔ فقال له عمر: طلقها قال: اتشهد أنَّها حرام؟ قال: هي جمرة، طلقها، قال تشهد انها حرام؟ قال: هي جمرة۔ قال قد علمت انها جمرة، ولكنهالي حلال۔ فلما كان بعد طلقها فقيل له: ألا طلقتها حين امرك عمر؟ قال: كرهت أن يرى الناس أني ركبت أمرًا لا ينبغي لي [1]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے والوں کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو طلاق دے دی جائے تو سوائے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سب نے طلاق دے دی۔ حضرت حذیفہ نے جواب دیا۔ ''کیا آپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ مکارہ ہے، اسے طلاق دے دیں۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ (زور دے کر) فرمایا: ''کیا آپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی جواب دیا کہ ''وہ مکارہ ہے'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بولے ''یہ تو میں جانتا ہو کہ وہ مکارہ ہے تاہم وہ میرے لیے حلال ہے۔'' (بات ختم ہوگئی) لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے از خود اسے طلاق دے دی۔ لوگوں نے پوچھا:

① المغنی: ۸۷/۵۰۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آپ نے یہ طلاق اس وقت کیوں نہ دی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حکم دیا تھا؟'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''میں اسے برا سمجھتا ہوں کہ لوگ مجھے وہ کام کرتا دیکھیں جو میرے لائق نہ تھا۔''

اس واقعہ سے یہ حقیقت نکھر کر فکر ونظر کے سامنے آتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش اور رجحان یہی تھا کہ کتابیہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھا جائے تاہم انہوں نے اسے قانون کی حیثیت سے جاری نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے اپنی رائے پر اصرار کے باوجود انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کا موقف بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ البتہ بعد میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورے کی معقولیت اور حکمت کے پیش نظر اپنی کتابیہ بیوی کو طلاق دے دی۔

اس سے یہ نکتہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ کسی حاکم کو شرعی حکم میں تبدیلی کا اختیار حاصل نہیں ہے اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے کسی حکم شرعی کو تبدیل کیا تھا۔

پانچواں مسئلہ: مؤلفۃ القلوب کی مد کا خاتمہ

منصوص احکام میں تبدیلی کی ایک مثال یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصارفِ زکوۃ میں سے ایک مصرف 'مؤلفة القلوب' ختم کردیا تھا۔

- غلام احمد صاحب پرویز لکھتے ہیں:

''قرآن کریم نے صدقات میں مؤلفة القلوب کا حصہ رکھا تھا۔ یعنی جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر کسی قسم کا نا قابل برداشت نقصان پہنچے ۔ ان کے نقصان کی تلافی کے لیے حکومت ان کی مالی امداد کرے۔ یہ حکم عہد رسالتمآب ﷺ اور دور صدیقی رضی اللہ عنہ میں بھی جاری رہا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اسے بند کردیا کہ اب مسلمانوں کے حالات بہت بہتر ہوگئے ہیں اس لیے اس امداد کی ضرورت نہیں رہی۔''[1]

- ڈاکٹر صبحی محمصانی مؤلفة القلوب سے متعلق قرآنی آیت اور رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کا تذکرہ کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''باوجود اس صریح نص قرآن کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے "مؤلفة قلوبهم" کا حصہ موقوف کردیا۔''[2]

پھر اس کی حکمت بیان کرکے آخر میں لکھتے ہیں:

''پس اس زمانے میں آیتِ مذکورہ کا حکم اشاعت اسلام اور اسے مدد پہنچانے کی مصلحت پر مبنی تھا۔ جب اسلام طاقت ور ہوگیا تو یہ ضرورت ختم ہوگئی، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو منسوخ کردیا جو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔''[3]

- مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری رحمہ اللہ نے ''شرعی تبدیلیوں کی مثالیں'' دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

''حضور رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآنی نص کے مطابق مؤلفة القلوب کو صدقہ وزکوہ دی جاتی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ

① شاہکار رسالت: ۲۷۹ ② فلسفہ شریعت اسلام: ۲۱۸ ③ ایضاً

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اسے ختم کر دیا۔'' ❶

ان حضرات کے علاوہ مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ ❷ اور مولانا محمد حنیف صاحب ندوی رحمہ اللہ ❸ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے۔

تجزیۂ استدلال

مؤلفة القلوب سے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل منصوص حکم میں تبدیلی ہے یا نہیں، اسکا فیصلہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب مصارف زکوٰۃ کے قرآنی حکم کی حقیقت اور نوعیت پر غور کیا جائے۔

چنانچہ اس ضمن میں غور وفکر کے بعد معاملے کی جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جن لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ دراصل کچھ اوصاف سے متعلق ہے۔ جب یہ اوصاف ان میں ہوں گے، اس وقت زکوٰۃ دی جائے گی، ورنہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر فقیر ہے تو اسے زکوٰۃ اس کے فقر کی وجہ سے دی جائے گی۔ گویا فقر ایک علت ہے، جس پر حکم کی بنیاد ہے۔

تحقیق المناط کا مسئلہ

یہی معاملہ مؤلفۃ القلوب کا ہے۔ یعنی جن لوگوں کی تالیف قلب مقصود ہے۔ بایں طور کہ مسلمانوں کو ان کی مدد ونصرت کی ضرورت تو ان کی تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دی جائے گی اگر یہ علت یا وصف موجود نہ ہو تو حکم کا اطلاق نہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ 'تحقیق المناط' کا مسئلہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ ان کے عہد میں وہ علت اور وصف موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر مؤلفة القلوب کو زکوٰۃ کی مد سے رقم دی جاتی تھی۔ کیونکہ پہلے اسلام حالت ضعف میں تھا، لہٰذا ان کی مدد واعانت کی ضرورت تھی۔ اب چونکہ اسلام قوت وشوکت حاصل کر چکا ہے اس لیے اب اسے کسی قسم کی معاونت کی ضرورت نہیں رہی۔

◉ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے منکرین حدیث کے اس استدلال، کہ خلفائے راشدین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بدل ڈالا تھا لہٰذا اب بھی حکمران (مرکز ملت) ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے، کی تردید میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توجیہہ یوں کرتے ہیں:

> ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی حکومت کو تالیف قلب کے لیے مال دینے کی ضرورت تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مد سے لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ اب ہماری حکومت اتنی طاقتور ہوگئی ہے کہ ہمیں اس غرض کے لیے کسی کو روپیہ دینے کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا ہم اس مد میں کوئی روپیہ صرف نہیں کریں گے۔ کیا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا کوئی فیصلہ بدل ڈالا کیا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہی تھا کہ تالیف قلب کی حاجت ہو یا نہ ہو، بہرحال کچھ لوگوں کو ضرور 'مؤلفة القلوب' قرار دیا جائے اور

---

① اجتہادی مسائل: ۱۱ ② احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت: ۱۸۲

③ مسئلہ اجتہاد: ۲۰۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدقات میں سے ہمیشہ ہمیشہ ان کا حصہ نکالا جاتا رہے، کیا خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی یہ لازم قرار دیا ہے کہ صدقات کا ایک حصہ تالیف قلب کی مد میں ہر حال میں ضرور ہی خرچ کیا جائے۔''

◉ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کا ذکر مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''لیکن جب اسلام پروان چڑھا اور اسلامی سلطنت کو نفاق و کفر کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب یہ حصہ ان لوگوں کو نہیں ملے گا۔ ان کے اپنے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں:

هذا شئٌ كان رسول الله ﷺ يعطيكموه ليتألفكم على الاسلام والان، قد اعز الله الاسلام و اغنى عنكم فان ثبتم على الاسلام والا بيننا و بينكم السيف [1]

''یہ وہ چیز تھی جو آنحضرت تمہیں اس لیے دیا کرتے تھے کہ تمہارے دلوں میں اسلام کے لیے الفت پیدا ہو اور وحشت و نفرت جاتی رہے۔ لیکن اب جب کہ اللہ نے اسلام کو قوت و عزت بخشی ہے اور تمہاری تالیف قلب سے اس کو بے نیاز کر دیا ہے تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ اسلام پر جمے رہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار کا حکم ہے۔'' [2]

◉ ڈاکٹر صبحی محمصانی نے بھی یہی توجیہ بیان کی ہے البتہ جواب کے آخر میں بیہقی سے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں:

''ہم اسلام کے معاوضے میں تمہیں کچھ نہ دیں گے، لہٰذا جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔'' [3]

◉ مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے علامہ جصاص رحمہ اللہ کی کتاب 'احکام القرآن' کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ان رسول الله ﷺ كان يتالفكما والاسلام يومئذٍ قليل وان الله قد اغنى الاسلام اذهبا فاجهدا جهدكما [4]

''رسول اللہ ﷺ تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جدوجہد کرو۔''

توجیہہ درست، استدلال غلط

ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استدلال کی توجیہات تو درست بیان کی ہیں لیکن اس سے ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصوص میں تبدیلی کی یا حکم کو منسوخ کر دیا۔ اس لیے کہ یہ نسخ یا تبدیلی نہیں ہے۔ بلکہ علت کی عدم موجودگی میں حکم کے انتفاء کا مسئلہ ہے۔

◉ صاحب 'مسلم الثبوت' نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے متعلق کہا ہے کہ

انه من قبيل انتهاء الحكم لا نتهاء العلة [5]

یہ علت کے انتفاء سے حکم کے انتفاء کی قبیل سے ہے۔

---

① فتح القدیر: ۲۶۰/۲ ② مسئلہ اجتہاد: ۲۰۴ ③ فلسفہ شریعت اسلام: ۲۱۸
④ احکام القرآن: ۲۴/۳ ⑤ مسلم الثبوت: ۸۴/۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور 'مؤلفة القلوب' کے الفاظ بھی اسی کی جانب اشارہ کناں ہیں۔

تمام مصارف میں زکوۃ صرف کرنا ضروری نہیں:

اوپر مولانا مودودی رحمہ اللہ کے اقتباس میں یہ بات آئی ہے کہ ہر صورت میں 'مؤلفة القلوب' کو حصہ دینا ضروری نہیں ہے۔ اس کی تائید امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

العامل والمؤلفة قلوبهم مفقودان فی هذا الزمان بقیت الاضاف الستة فالاولیٰ صرفها الی الستة واما انه یعتبر فی کل صنف منها مؤوّل لفظة ان کان موجودًا ❶

''عاملین زکوۃ اور مؤلفة القلوب اس زمانہ میں مفقود ہیں، صرف چھ قسم کے مستحقین باقی ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ انہی چھ قسموں میں زکوۃ کا روپیہ صرف کیا جائے اور یہی حال ان میں سے ہر مصرف کا ہے یعنی جس مصرف کی ضرورت نہ ہوگی اس میں صرف نہ کیا جائے گا گویا ہر مصرف کے ساتھ یہ لفظ لگا ہوا ہے کہ اگر وہ موجود ہو۔''

مؤلفة القلوب کا مصرف تا قیامت باقی ہے

بہر آئینہ مؤلفة القلوب کا مصرف قیامت تک کے لیے باقی ہے، لہٰذا جب بھی ضرورت و مصلحت کا تقاضا ہوگا اس مد میں سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ ضرورت محسوس نہ کی اور شرعی حکم کی علت موجود نہ سمجھی تو اس پر عمل نہیں فرمایا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ اب ہمیشہ کے لیے یہ مصرف ہی ختم ہوگیا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دائمی طور پر منسوخ کر دیا ہے۔ بعض ارباب فقہ کی رائے اگرچہ یہی ہے کہ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔

◉ مولانا سید ابوالاعلی صاحب مودودی رحمہ اللہ اس مسئلہ سے متعلق مختلف آراء نقل کرنے کے بعد راجح نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مؤلفة القلوب کا حصہ قیامت تک کے لیے ساقط ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلا شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیف قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے۔ لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع جس امر پر ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانے میں جو حالات تھے ان میں تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع نے اس حد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی۔'' ❷

حاصل یہ ہے کہ بوقت ضرورت 'مؤلفة القلوب' کی مد سے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں کوئی تبدیلی

① کتاب الأم بحوالہ اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام: ۸۶ ② تفہیم القرآن: ۲/۲۰۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نہ اسے منسوخ کیا، لہٰذا ان کے اس اقدام سے تبدیلیٔ احکام پر استدلال درست نہیں ہے۔

مؤلفۃ القلوب کو مال دینے کی پرویزی توجیہہ

آخر میں پرویز صاحب کی اس توجیہہ پر مختصر تبصرہ بھی مناسب رہے گا کہ مؤلفة القلوب کے حصہ سے مراد یہ ہے کہ:

''جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر کسی قسم کا ناقابل برداشت نقصان پہنچے، ان کی تلافی کے لیے حکومت ان کی مالی امداد کرے۔''[1]

یہ درست ہے کہ اگر کسی کو ایسے حالات کا سامنا ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ 'مؤلفة القلوب' کی مد سے زکوٰۃ صرف اسی نوعیت کے حالات سے دوچار لوگوں کے لیے ہے۔ علماء نے صراحت کی ہے اگر کوئی مال دار بھی ہے تو بھی اسے اس مد سے رقم دی جاسکتی ہے۔

◉ مولانا مودودی رحمہ اللہ 'مولفة القلوب' کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ایسے لوگوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین یا مسافر ہوں، تب ہی ان کی مدد کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ مال دار اور رئیس ہونے پر بھی زکوٰۃ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔''[2]

حاصل یہ کہ 'ناقابل برداشت نقصان' نہ بھی ہو تو اس مد سے رقم دی جاسکتی ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے نقصان کی زد میں آئے ہوں۔ بلکہ اس طرح کے لوگ تو فقیر و مسکین یا الغارمین کی مدات میں بھی آسکتے ہیں تالیف قلب کا تعلق اصل میں مال سے نہیں بلکہ دلی احساسات و جذبات کو مائل کرنے سے ہے جیسا کہ خود یہ لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

چھٹا مسئلہ: ام ولد کی فروخت پر پابندی

حالات و زمانہ کی تبدیلی سے شرعی احکام میں تغیر و تبدل کے حق میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد کی بیع ممنوع قرار دے دی تھی، حالانکہ پہلے منع نہ تھی۔

◉ غلام احمد صاحب پرویز اس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام ولد (یعنی وہ لونڈی جس کے مالک سے اسے اولاد ہوگئی ہو) کی بیع ممنوع قرار دے دی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی ممانعت نہیں تھی۔''[3]

اس کا ذکر مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری رحمہ اللہ[4]، ڈاکٹر صبحی محمصانی رحمہ اللہ[5] اور مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ[6] نے بھی کیا ہے۔

تجزیہ استدلال

اس استدلال کی بنیاد اس نکتے پر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ام ولد کی خرید و فروخت جائز اور درست تھی، لیکن بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر بندش عاید کردی۔ لیکن امر واقعہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ الٹا تردید ہوتی ہے۔

---

① شاہکار رسالت: ۲۷۹ ② تفہیم القرآن: ۲۰۶/۲ ③ شاہکار رسالت: ۲۸۰

④ اسلام دین آسان: ۱۴ ⑤ فلسفہ شریعت اسلام: ۲۱۹ ⑥ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ۱۹۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ام ولد کی فروخت پر نبی مکرم ﷺ نے پابندی لگائی

حقیقت یہ ہے کہ ام ولد کی فروخت کی ممانعت خود نبی اکرم ﷺ ہی کی سنت سے ثابت ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہے:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اولاد والی لونڈیوں کو بیچنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

لایبعن ولا یوھبن ولا یورثن یتمتع بھا السید مادام حیًّا واذا مات فھی حرّۃ [1]

''نہ وہ بیچی جاسکتی ہیں، نہ ہبہ کی جاسکتی اور نہ ترکہ میں شمار ہوسکتی ہیں۔ جب تک ایسی لونڈی کا مالک زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور جب وہ مرجائے تو وہ لونڈی آزاد ہے۔''

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من وطئ امتہ فولدت لہ فھی معتقۃ عن دبر [2]

''جس شخص نے اپنی لونڈی سے مباشرت کی، پھر اس سے اس کا بچہ پیدا ہوگیا تو وہ لونڈی اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہوگئی۔''

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ) کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اعتقھا ولدھا [3]

''اس کا بچہ اس کی آزادی کا سبب بن گیا۔''

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ خود رسول معظم ﷺ ہی نے ام ولد کو بیچنے سے منع کردیا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت کی پیروی میں ممانعت کی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد کی خرید وفروخت کی ممانعت انہی ارشاداتِ پیغمبر ﷺ کی بناء پر کی تھی۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ

ان عمر اعتق امھات الاولاد و قال أعتقھن رسول اللہ ﷺ [4]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امہات الاولاد کو آزاد کیا اور کہا کہ انہیں رسول معظم ﷺ نے آزاد فرمایا ہے۔''

جمہور علماء کا مسلک

مسئلہ زیر بحث میں جمہور علمائے امت کا نقطہ نگاہ یہی ہے کہ امہات الاولاد کی بیع ممنوع ہے۔ بلکہ بعض فقہا نے تو اس پر اجماع کا

---

① سنن الدارقطنی: ۱۳۴/۴ (۳۴)

② مسند احمد: ۳۲۰/۱، سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب امہات الأولاد: (۲۵۱۵)

③ سنن ابن ماجہ ۲۵۱۶؛ سنن دارقطنی: ۱۳۲/۴ (۲۴)

④ السنن الکبری للبیہقی، کتاب عتق أمہات الأولاد، باب الرجل یطأ امتہ بالملك فتلد: ۲۳۴/۱۰ (۲۲۲۹۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعویٰ بھی کیا ہے۔

◉ علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

وقد استدل بحديثي ابن عباس المذكورين في الباب وحديث ابن عمر القائلون بأنه لايجوز بيع امهات الأولاد وهم الجمهور، وقد حكى ابن قدامة اجماع الصحابة على ذلك ❶

''جمہور اہل علم امہات الاولاد کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں اوران کا استدلال اوپر مذکورہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث سے ہے۔ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔''

یہ دعویٰ اجماع اگرچہ صحیح نہیں تاہم سلف صالحین کی عظیم اکثریت اسی موقف کی قائل ہے۔علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بھی ایک طویل بحث کے بعد اسی کو مبنی بر احتیاط قرار دیا ہے۔ ❷

بیع ام ولد کی دلیل جواز کا جائزہ

اس امر کے حق میں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں ام ولد کی بیع جائز تھی ابوداؤد کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرعی حکم میں تبدیلی کی تھی۔وہ روایت یہ ہے:

عن جابر قال: بعنا امهات الأولاد على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر فلما كان عمر نهانا فانتهينا ❸

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور عہد صدیق میں امہات الاولاد کی بیع کیا کرتے تھے۔مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے منع کیا تو ہم اس سے رک گئے۔''

اگر امہات الاولاد کی بیع کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھا جائے تو اس کی کئی توجیہات کی جاسکتی ہیں۔

① ایک محمل اس روایت کا یہ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ام ولد کی خرید وفروخت کی ہولیکن آپ کو علم نہ ہوا ہو،لہٰذا یہ تقریری سنت نہیں بن سکتی۔پس اس سے استدلال بھی درست نہیں۔

◉ علامہ خطابی رحمہ اللہ 'معالم السنن' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ

ويحتمل ان يكون هذا الفعل منهم في زمان النبي ﷺ وهو لا يشعر بذلك لانه امر يقع نادراً وليست امهات الاولاد كسائر الرقيق ❹

''اس امر کا احتمال ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہو اور آپ کو اس کا علم نہ ہوا ہو،اس لیے کہ ام ولد کی خرید وفروخت کا معاملہ شاذ و نادر ہی پیش آتا تھا اور اس لیے بھی کہ امہات الاولاد عام غلاموں کی طرح نہیں

① الشوكاني، محمد بن علي نيل الاوطار: ۴۴۹/۱۱؛ المغني: ۵۸۵/۱۴ ② نيل الاوطار: ۴۵۲/۱۱

③ سنن ابي داؤد، كتاب العتق، باب في عتق امهات الأولاد: (۳۹۵۴)

④ الخطابي، ابوسليمان حمد بن محمد، معالم السنن: ۷۴/۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔

◉ امام بیہقی رحمہ اللہ بھی اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

وليس فى شئ من الطرق أن النبى ﷺ اطلع على ذلك يعنى بيع امهات الاولاد واقرهم عليه ❶

''کسی طریق سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ رسول اکرم ﷺ کو امہات الاولاد کی بیع کا علم ہوا ہو اور آپ ﷺ نے اسے برقرار رکھا ہو۔''

② دوسری توجیہہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے پہل تو ام ولد کی بیع جائز ہو لیکن بعد میں اس سے روک دیا گیا ہو یعنی یہ جواز منسوخ ہو گیا۔

◉ امام خطابی رحمہ اللہ اس توجیہہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

وقد يحتمل ان يكون ذلك مباحاً فى العصر الأول ثم نهى النبى ﷺ عن ذلك قبل خروجه من الدنيا ولم يعلم به ابوبكر لأن ذلك لم يحدث فى ايامه لقصر مدتها والاشتغاله بأمور الدين و محاربة اهل الردة واستصلاح اهل الدعوة ثم بقى الأمر على ذلك فى عصر عمر مدة من الزمان ثم نهى عمر حين بلغه ذلك عن رسول الله ﷺ فانتهوا ❷

''یہ احتمال بھی ہے کہ عصر اول میں ام ولد کی بیع مباح ہو پھر اس دنیا سے رحلت کے وقت رسول اکرم ﷺ نے اس سے روک دیا ہو لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات نہ آ سکی ہو کیونکہ ان کی مدت خلافت انتہائی کم تھی اور ان دنوں اس بیع کا زیادہ رواج نہ تھا مزید برآں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ دینی معاملات، ارتداد کے خلاف جنگوں اور اہل دعوت کی بہتری کے لیے اقدامات میں مصروف رہے لہٰذا آپ کو علم نہ ہونا مستبعد نہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک ایک عرصہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ بعد ازاں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کی ممانعت کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو اس سے روک دیا چنانچہ وہ باز آ گئے۔

اس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے موقف کی بنیاد کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاید وہ نسخ سے لاعلمی کی بناء پر اس کے جواز کے قائل رہے ہوں۔

◉ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وقال التوربشتى يحتمل أن النسخ لم يبلغ العموم فى عهد الرسالة ويحتمل ان بيعهم فى زمان النبى ﷺ كان قبل النسخ وهذا اولىٰ التاويلين وأما بيعهم فى خلافة ابى بكر فلعل ذلك كان فى فرد قضية فلم يعلم به ابوبكر ولا من كان عنده علم بذلك، فحسب

❶ معرفۃ السنن والآثار: ۱۴/۷۰-۴۶۹ (۲۰۸۰۹) ② معالم السنن: ۴/۷۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جابر ان الناس كانوا على تجويزه فحدث ما تقرر عنده فى أول الأمر، فلما اشتهر نسخه فى زمان عمر عاد الى قول الجماعة، يدل عليه قوله فلما كان عمر نهانا عنه فانتهينا ❶

''امام تورپشتی کا کہنا ہے کہ اس میں یہ امکان بھی موجود ہے کہ عام لوگوں کو عہد رسالت ﷺ میں ہونے والے نسخ کی خبر نہ ہوسکی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں جو ام ولد کی بیع کرتے تھے وہ نسخ سے پہلے ہو دونوں میں سے یہ تاویل زیادہ مناسب ہے۔ جہاں تک عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں امہات الاولاد کی خرید وفروخت کا مسئلہ ہے تو اس میں احتمال یہ ہے کہ ایسا ایک آدھ قضیہ ہی ہوا ہولیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا دیگر ان حضرات کو معلوم نہ ہوسکا جو نسخ کا علم رکھتے تھے۔ اس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ لوگ اسے جائز ہی خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے وہی بیان کیا جو پہلے سے ان کے نزدیک ثابت شدہ تھا۔ پھر جب عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں نسخ کی شہرت ہوئی تو انہوں نے جماعت کے نقطہ نظر کی طرف رجوع کرلیا ہو۔ ان کا یہ قول بھی اس کی طرف اشارہ ہے کناں ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں روکا تو ہم رک گئے۔''

مندرجہ بالا تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ

① امہات الاولاد کی بیع کو خود نبی اکرم ﷺ نے ممنوع قرار دیا تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بناء پر اس سے روکا تھا، یہ کوئی تبدیلی نہ تھی۔

③ جو لوگ اسی وقت تک ام ولد کی بیع کو جائز سمجھتے تھے انہیں نبی اکرم ﷺ کی ممانعت کا علم نہ تھا۔

④ امت کے ارباب فقہ واجتہاد کی عظیم اکثریت امہات الاولاد کی بیع کو ناجائز قرار دیتی ہے۔

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ انہوں نے کسی منصوص حکم میں حالات وزمانہ کی رعایت سے تبدیلی کی ہے۔

ساتواں مسئلہ: شرابی کی سزا میں ردوبدل

شرعی احکام میں تغیر وتبدل کے قائلین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو بھی اپنے نقطۂ نگاہ کے حق میں پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے شرابی کی سزا اسی کوڑے متعین کی تھی جبکہ اس سے پہلے ایسا نہ تھا۔

◉ غلام احمد صاحب پرویز رقمطراز ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں شراب خور کو جوتے وغیرہ مار کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بڑھا کر اسی کوڑے کردیا۔'' ❷

◉ مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی رحمہ اللہ ''شرعی تبدیلیوں کی مثالیں'' بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک شرابی کی تعزیر چالیس درے تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اسی ۸۰ کردیا اور حضرت

① العظیم آبادی، محمد شمس الحق، عون المعبود مع شرح الحافظ ابن قیم الجوزیۃ: ۴۹۳/۱۰ ② شاہکار رسالت: ۲۷۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عثمان نے دونو ہی پر مختلف اوقات میں عمل کیا۔'' ❶

تجزیۂ استدلال

اس ضمن میں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ کیا شراب خوری کی سزا متعین ہے یا اسے حاکم اور ذمہ داری اتھارٹی کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آیا شرابی کی عقوبت حدود کے زمرے میں آتی ہے یا اسے دائرہ تعزیرات میں شامل کیا جائے گا؟

شراب نوشی کی سزا تعزیر ہے حد نہیں!

شرعی دلائل میں غوروفکر سے اس سوال کا جو جواب صحیح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شراب نوشی کی سزا متعین نہیں یعنی اسے حدود میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ ایک تعزیری سزا ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

عن عكرمة عن ابن عباس ان النبی ﷺ لم يَقِتْ فی الخمر حدًّا

وقال ابن عباس شرب رجل فسكر فلقی يميل فی الفَجِّ فانطلق به إلى النبی ﷺ، فلما حاذى بدار العباس انفلت فدخل على العباس فالتزمه، فذكر ذالك النبی ﷺ فضحك وقال أفعلها؟ ولم يأمر فيه بشئ ❷

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شراب نوشی پر کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

عبداللہ بن عباس کا کہنا ہے کہ ایک شخص کو شراب پینے کے نتیجے میں نشہ چڑھ گیا کسی نے اس کو لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچا تو بھاگ گیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا جب رسول اللہ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے ہنستے ہوئے فرمایا کیا اس نے اس طرح ہی کیا؟ اور پھر آپ نے اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں فرمایا۔''

دوسری دلیل

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

ماكنت لاقيم حدًّا على احد فيموت فأجد فی نفسی الا صاحب الخمرفانه لومات وديته، وذلك ان رسول الله ﷺ لم يَسُنَّهٗ ❸

''اگر میرے ''حد'' لگانے کے نتیجے میں کوئی مرجائے تو مجھے اس پر کوئی رنج وغم نہیں ہوگا۔ سوائے شرابی کے کہ اگر

---

① اجتہادی مسائل:۹ ② سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر:(۳۸۸۱)

③ صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الضرب بالجريدو النعال:(۶۷۸۰)، وصحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الخمر:(۳۲۲۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حد لگانے کے نتیجہ میں وہ مرجائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شراب نوشی پر سزا دینے کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا تھا۔''

اورابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

ماكنت أدى من أمت عليه الحد اِلَّا شارب الخمر فان رسول الله ﷺ لم يسن فيه شيئًا انما هو يشى جعلناه نحن ❶

جس پر میں حد قائم کروں (اور وہ اس کے نتیجے میں مرجائے) تو میں اسکی دیت نہیں دونگا سوائے شرابی کے (کہ وہ اگر دوران حد مرجائے تو اس کی دیت میرے ذمے ہوگی) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں کوئی سزا مقرر نہیں کی ہے کہ سزا ہم نے اپنی طرف سے مقرر کی ہے۔

تیسری دلیل

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

كنانوتى بالشارب على عهد رسول الله وامرة ابى بكر وصدرا من خلافة عمر۔ فنقوم اليه بأيدينا و نعلنا وأرديتنا، حتى كان آخرامرة عمر فجلد اربيعن، حتى اذا عتوا و فسقوا جلد ثمانين ❷

''رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور عمر فارق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جب شرابی کو پکڑ کر لایا جاتا تو ہم اٹھ کر ہاتھوں، جوتوں اور کپڑے (کے کوڑوں) سے اس کی پٹائی کرتے تھے یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور تک چلتا رہا آخری دور خلافت میں حضرت عمر نے شرابی کو چالیس کوڑے لگانے شروع کیے پھر جب لوگ (اس سلسلے میں) حد سے بڑھنے لگے تو انہوں نے چالیس کی بجائے اسی کوڑے لگائے۔''

چوتھی دلیل

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أن النبى ﷺ ضرب فى الخمر بالجريد والنعال وجلد ابوبكر اربعين ❸

''نبی اکرم ﷺ شرابی کو کھجور کی ٹہنی اور جوتوں سے مارا کرتے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو چالیس کوڑے لگاتے تھے۔''

---

① سنن ابن ماجہ، كتاب الحدود باب حد السكران :(۲۵۵۹)؛سنن ابی داؤد، كتاب الحدود، باب إذا تتابع فى شرب الخمر: (۴۸۸۹)

② صحیح بخاری، كتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال:(۶۲۸۱)

③ صحیح البخاری، كتاب الحدود، باب الضرب بالجر يدو النعال:(۶۲۷۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مسلم اور ابوداؤد میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قدرے تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ

أن نبی الله ﷺ جلد فی الخمر بالجر ید والنعال ثم جلد ابوبکر اربعین فلما کان عمر ودنا الناس من الرّیف والفری قال ما ترون فی جلد الخمر؟ فقال عبد الرحمان بن عوف: أری ان تجعلها کأخف الحدود قال: فجدد عمرؓ ثمانین ❶

''نبی کریم ﷺ نے شراب نوشی میں کھجور کی ٹہنی اور جوتوں سے مارا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چالیس کوڑے مارنے شروع کیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ شہروں سے نکل کر گاؤں میں اور کھلی فضاؤں میں رہن سہن اختیار کیا اور آسودہ ہوگئے (تو شراب نوشی کی کثرت ہوگئی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صورتحال کو بھانپ کر صحابہ کرام سے شراب نوشی کی سزا کے بارے رائے طلب کی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میری رائے میں سزا کے لحاظ سے کم تر حد والی سزا اس پر جاری کی جائے ان کے مشورہ پر عمل کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے کی سزا مقرر کی۔''

پانچویں دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

أن النبی ﷺ أتی برجل قد شرب قال إضربوه، قال ابوهریرة فمنا الضارب بیده والضارب بنعله والضارب ثوبه، فلما الضرف قال بعض القوم أخذاك الله قال: لا تقولوا هکذا ..... ❷

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شرابی لایا گیا آپ نے حاضرین مجلس کو اسے مارنے کا حکم دیا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے کوئی اس کو ہاتھ سے مار رہا تھا کوئی جوتے سے اور کوئی کپڑے (کے کوڑے) سے جب وہ جانے لگا تو کسی نے اسے بددعا دیتے ہوئے کہا اللہ تجھے رسوا کرے۔ آپ نے فرمایا اس طرح نہ کہو۔''

چھٹی دلیل

◉ حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أتی النبی ﷺ بنعیمان اوبابن نعیمان وهو سکران فامر النبی ﷺ من کان فی البیت ان یضربوه قال فضربوه، فکنت أنا فیمن ضربه بالنعال ❸

---

① صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الخمر: (۳۲۱۹)؛ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر: (۳۸۸۳)

② صحیح البخاری، کتاب الحدود باب الضرب بالجر ید والنعال: (۶۲۷۹) وسنن ابی داؤد، کتاب الحدود باب الحد فی الخمر: (۳۸۸۲)

③ صحیح البخاری کتاب الحدود، باب من أمر بضرب الحد فی البیت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''نعیمان یا نعیمان کے بیٹے کو نشے میں دھت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا آپ نے گھروں میں موجود لوگوں کو اسے مارنے کا حکم دیا عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جوتوں سے مارنے والوں میں میں بھی شامل تھا۔''

ساتویں دلیل

جلیل القدر تابعی اور حدیث کے عظیم عالم امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ

أن النبی ﷺ لم یفرض فی الخمر حداً وانما کان یأمر من حضرہ ان یضربوہ بأیدیھم و نعالھم ❶

''رسول اللہ ﷺ نے شراب نوشی کے بارے میں کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ آپ حاضرین کو اسے مارنے کا حکم دیتے تھے وہ اسے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کی پٹائی کرتے تھے۔''

مندرجہ بالا روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب نوشی پر کوئی متعین سزا مقرر نہیں فرمائی اور نہ ہی قرآن شریف میں اس کا ذکر آیا ہے، لہٰذا یہ تعزیرات میں داخل ہے۔ اور تعزیر حاکم اور ذمہ داری اتھارٹی کی صوابدید پر ہوتی ہے کہ وہ جس قدر مصلحت کا تقاضا دیکھے، اس کے مطابق سزا دے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ شراب نوشی کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے اس کی سزا ۴۰ سے بڑھا کر ۸۰ کوڑے کر دی۔

اس کی وضاحت سنن ابی داؤد کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے کہ

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ لوگ کثرت سے شراب پینے لگے ہیں اور اس کی سزا (جو عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں ۴۰ کوڑے تھی) کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ آپ کے پاس کبار صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں تو ان سے اس کا حل دریافت کیجئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو یہ متفقہ تجویز سامنے آئی کہ شرابی کو ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۸۰ کوڑوں کی توجیہہ یہ بیان کی کہ شراب پی کر نشہ ہو جاتا ہے اور نشے میں ہذیان بکتے ہوئے دوسروں پر تہمت طرازی ہوتی ہے لہٰذا شرابی کو حد قذف کے بقدر (اسی) کوڑے لگانے چاہئیں۔ ❷

المختصر جب شریعت نے شراب نوشی کی کوئی سزا متعین ہی نہیں کی تو اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تبدیلی کیسے کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ایک سزا مقرر کی ہے جو عین تقاضائے مصلحت تھی۔

◉ مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر کی جب کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سزا کی تعیین نہ تھی۔'' ❸

① نیل الاوطار: ۱۳/۴/۷-۱۷۱ ② سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب إذا تتابع فی شرب الخمر: (۳۸۹۲)

③ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ۱۸۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیرت اس پر ہے کہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی رحمہ اللہ ایک طرف اسے تعزیر قرار دیتے ہیں اور پھر اسے ''شرعی تبدیلی'' بھی کہتے ہیں؟ جب یہ تعزیری سزا ہے تو یہ شرعی تبدیلی کیسے بن گئی؟ بہر آئینہ اس اقدام فاروقی رضی اللہ عنہ سے یہ استدلال درست نہیں ہے کہ انہوں نے کسی شرعی حکم میں تبدیلی کی تھی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ